© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مستقبل میں اُردو کے محافظ

ایک طرف ہماری زبان اُردو کی لسانی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ برلن، لندن اور ٹوکیو کی یونیورسٹیوں میں اس زبان کے مستقل پروفیسر رکھے جاتے ہیں، اور غیر ملکوں سے ریڈیو پراس میں تقریریں اور خبریں براڈکاسٹ ہوتی ہیں لیکن ادھر خود اپنی حالت کا جائزہ لیجیے تو فرطِ شرمساری سے گردن خم ہو جاتی ہے۔ اگر اُردو ہندی کے ساتھ تنازع للبقاء کے میدان میں نبرد آزما نہ ہوتی تو اس کی رفتارِ ترقی خواہ کچھ ہوتی ہمیں زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہ تھی لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں زبان کا مسئلہ نہایت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ اور اُردو ہندی کے نزاع نے ایک ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ اگر محافظین اُردو نے اس وقت زبردست عملی جدوجہد نہ کی تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری آج کی اُردو کا حشر کل کیا ہوگا۔

اُردو کی ترقی کے صرف دو ذریعے ہی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہم اس زبان میں زیادہ سے زیادہ ہر علم و فن کی مفید اور دلچسپ کتابیں شائع کریں اور دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ ہم ملک میں زیادہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ اچھی اور صاف ستھری اُردو بولنے والے اور اُس کی ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے پیدا کریں لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم اس وقت جس جمود و تعطل کی وبا میں گرفتار ہیں اُس کی وجہ سے ہماری زبان ان دونوں ذریعوں سے شرم انگیز حد تک تہی مایہ ہے۔ ہندی کے مقابلہ میں اُردو کی کتابوں کی نشر و اشاعت کی رفتار کیا ہے، اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ جنوری ۳۹ء سے مارچ تک یعنی صرف تین ماہ کی مدت میں یوپی سے چار سو تیس کتابیں جو ہر علم و فن پر مشتمل تھیں ہندی زبان میں شائع ہوئیں۔ اب اس کے مقابلہ میں اُردو غریب کا حال سُنیئے۔ اس زبان میں جو کتابیں شائع ہوئیں اُن کی کل تعداد ۸۵ ہے۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

یہ حال اُس صوبہ کا ہے جس کے دو شہر آگرہ اور لکھنؤ کو اُردو کے گہوارہ ہونے کا مدتوں فخر حاصل رہا ہے، اور اب بھی یہاں پرانی روایتوں کے آثار کچھ نہ کچھ ضرور پائے جاتے ہیں۔ پھر اس صوبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں کی اصل زبان جس میں یہ بے تکلفی سے بات چیت کرتے ہیں اُردو ہی ہے۔

اب دوسری صورت پر توجہ کیجیے تو یہاں بھی وہی مایوس کن سماں نظر آتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس باب میں ہماری اُمیدوں کا مرکز دکاندار یا کاریگر یا جاہل طبقہ کے افراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہماری تمام توقعات یونیورسٹیوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل طلبار سے ہی وابستہ ہو سکتی ہیں لیکن یونیورسٹیوں کے مخصوص نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم اور مخصوص ماحول کی وجہ سے ان طلبا کی اُردو دانی کا جو عالم ہے اُس پر کوئی سنجیدہ آدمی اطمینان کا اظہار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پبلک سروس کمیشن نے مختلف امتحانات مقابلہ میں شریک ہونے والے اُمیدواروں کے معیارِ علمی و دماغی پر جو ایک رپورٹ ۳۰ اپریل کو شائع کی ہے اُس میں بتایا گیا ہے کہ :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اُمیدواروں کے اُردو پرچے ازبس ناتسلّی بخش تھے ہجّے غلط، واقعات غلط، خط خراب، اور انداز تحریر ازبس مایوس کن تھا"

مزید وضاحت مطلوب ہو تو اورنٹیل کالج میگزین جو لاہور کا بلند پایہ علمی و تحقیقی سہ ماہی رسالہ ہے اس کی تازہ اشاعت کا پرچہ ملاحظہ فرمائیے جس میں غلام جیلانی صاحب برق نے "اُمیدوارانِ امتحانِ ایف اے کی اُردو" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے۔ اس میں موصوف نے بہ حیثیت ممتحن اپنے تجربہ کی روشنی میں ایف اے کے اُمیدواروں کی اُردو پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم ذیل میں اس مقالہ کے بعض اہم اقتباسات درج کرتے ہیں جنھیں پڑھ کر ممکن ہے آپ کو ہنسی آجائے لیکن اصل یہ ہے کہ یہ ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے۔ اور اس زبوں حالی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے!

موصوف لکھتے ہیں "اس دفعہ پرچہ سوالات پچھلے سالوں کی نسبت آسان تھا۔ لیکن اُمیدواروں کا معیار تحریر و بیان بہت مایوس کن تھا۔ میں نے ۳۶۳ پرچے دیکھے جن میں سے صرف ۶۹ پرچے ایسے تھے کہ جنھیں قدرے تسلی بخش کہا جا سکتا ہے۔ باقی پرچوں میں مندرجہ ذیل نقائص بہت زیادہ تھے۔"

اس کے بعد موصوف نے نمبروار نو اہم نقائص بیان کیے ہیں۔ اُن سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ ہم یہاں صرف چند نقائص کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) طلبار کی عام بے پروائی کا یہ حال ہے کہ دوسرے سوال میں تشبیہ، محاورہ، استعارہ اور قافیہ کے الفاظ درج تھے لیکن اس کے باوجود ستر فیصدی طلبار نے تشبیہ کو "تشبیح" اور قافیہ کو "کافیہ" لکھا ہے۔

(۲) معلوماتِ عامہ سے یہ طلبار بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ سوال میں پوچھا گیا تھا کہ اُردو زبان نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

س ملک میں جنم لیا" اس کے جواب میں مختلف طلبار نے حسب ذیل باتیں لکھیں :-

(۱) اُردو عربوں کی زبان ہے اور عرب میں بولی جاتی ہے۔

(۲) اُردو پہلے مصر میں بولی جاتی تھی۔

(۳) اُردو ایرین ایشیائے خورد سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

(۴) اُردو افغانستان کی مادری زبان ہے۔

اِن تمام نظریوں سے زیادہ دلچسپ ایک صاحب کا یہ انکشاف ہے کہ "پہلے پہل اُردو فارسی زبان میں بولی جاتی تھی"

ایک سوال میں پوچھا گیا تھا "دیوانِ حالی کس کی تصنیف ہے؟" ایک ریسرچ اسکالر فرماتے ہیں۔ "دیوان حالی کا مصنف شیخ سعدی ہے"۔

(۳) تیسرا بڑا نقص یہ ہے کہ ہجے عموماً غلط ہوتے ہیں، اور مشکل لفظوں کے ہی نہیں بلکہ بہت آسان اور کثیر الاستعمال الفاظ کے ہجے بھی درست نہیں ہوتے۔ فاضل ممتحن نے نہایت اختصار کے ساتھ ۴۰ الفاظ کی ایک فہرست دی ہے جس میں بعض الفاظ یہ ہیں:-

مسخ شدہ لفظ	اصلی لفظ	مسخ شدہ لفظ	اصلی لفظ
فاعدہ	فائدہ	موجودا	موجودہ
معبوب	محبوب	قائدا	قاعدہ
مقسد	مقصد	جہیج	جہیز
ناکس	ناقص	ورک	ورق
مینت	محنت	مشرا	مصرع
پاغل	پاگل	مھشور	مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) چوتھا نقص یہ ہے کہ بعض عام اور سادہ لفظوں کا بالکل غلط استعمال کرتے ہیں مثلاً

"نے" کا استعمال۔

"شاعر نے واقعی کیا خوب کہتا ہے"

"اب دیکھو کہ وہ لڑکا نے اپنے باپ کا حکم نہ مانا"

یہاں تک تو ان "قوم کی اُمیدوں" کے نمونہائے نثر دکھلائے گئے تھے۔ اب ذرا دنیائے نظم میں ان کا اعجازِ نگارش بھی ملاحظہ کریلیجیے۔ ایک صاحب مرثیہ کی تعریف درج کرنے کے بعد مرزا غالب کی خدمت میں مندرجہ ذیل سلک لآلی پیش کرتے ہیں:۔

ہائے غالب تو کب کا کدھر کو چلا گیا　　دنیا سے کوچ کرکے ہمیں کر گیا پامال

بقیہ "اشعار" اس قدر لغو، اور بیہودہ ہیں کہ زبانِ قلم پر اُن کا آنا بھی دشوار ہے۔ اپنی بہار کا کا اندازہ کرنے کے لیے اس گلستاں کا یہ تھوڑا سا نظارہ بھی کافی ہے۔

اب خیال فرمائیے یہ اُردو کس کی ہے؟ اُن نونہالان قوم کی ہے جو ایف سے کے امتحان میں شریک ہوگئے ہیں اور اس میں کامیاب ہونے کے دو سال بعد وہ بی۔ اے کے امتحان میں شریک ہونگے۔ ایف اے تک جب ان عزیزوں کی اُردو کا یہ حال ہے، تو بی اے ہو جانے کے بعد کیا توقع ہوسکتی ہے کہ ان کو اچھی اُردو لکھنی اور بولنی آجائیگی۔ پھر معلوم نہیں اُس مغربی ماہر تعلیم کے نقطۂ خیال سے ان کو کس طرح تعلیم یافتہ کہنا درست ہوگا جس نے کہا تھا "خواہ تم کتنے ہی لائق و قابل ہو لیکن اگر تم اپنی مادری زبان میں مہارت نہیں رکھتے تو میں تم کو تعلیم یافتہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں" اور پھر اگر یہ حقیقت ہے کہ ہر زبان کو اُس کی قوم کی تہذیب و تمدن کے ساتھ گہرا رابطہ ہوتا ہے، اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان کا زوال خود اُس قوم کی کلچرل موت کا مرادف ہوتا ہے۔ تو آج کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اُردو کی حفاظت کے لیے پوری سرگرمی، بیدار مغزی، اور جوش وخروش سے کام لیں۔

❊

محترم مقالہ نگار نے یونیورسٹی کے طلباء کی اُردو پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا لکھا ہے کہ "اگر پنجاب یونیورسٹی کے ارباب بست وکشاد نے اُردو زبان کے متعلق پوری توجہ سے کام نہیں لیا۔ اور دوسری طرف سے کانگریسی صوبوں کی سرکاری زبان "ہندوستانی" کی آندھیاں صحرائے اردو میں آپہنچیں تو اُردو کی طرف سے بے توجہی کا یہ عالم ہو جائیگا کہ ہمارے خاص طلباء بھی اسی زبان میں لکھنے لگ جائینگے کہ جس میں آج کثیر تعداد لکھ رہی ہے"۔

یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں پنجاب یونیورسٹی کو اس باب میں امتیاز خاص حاصل ہے کہ وہ علوم مشرقیہ کی سرپرستی کرتی ہے۔ اور ہزاروں طلباء اب تک اُس کے فیض سے مولوی فاضل اور منشی فاضل، اور ادیب فاضل ہوکر برسرروزگار ہو چکے ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس یونیورسٹی کے پروفیسر عربی مولوی محمد شفیع صاحب۔ اور پروفیسر فارسی ڈاکٹر محمد اقبال۔ اور پروفیسر اُردو حافظ محمود شیرانی تینوں اصحاب اپنے اپنے مضمون میں کمال رکھنے اور غایت درجہ علمی شغف وانہماک کے باعث ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں کے عربی و فارسی اور اُردو کے اساتذہ سے بہت نمایاں اور ممتاز ہیں۔ پھر پنجاب کا مرکزی شہر لاہور آج کل اردو اخبارات ورسائل کی فراوانی میں ہندوستان کے دوسرے شہروں سے سبقت لے گیا ہے۔ ان سب حالات کے باوجود جب پنجاب یونیورسٹی کے طلباء کی اُردو کا یہ حال ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری یونیورسٹیوں کا حال اس بارہ میں کیا کچھ زبوں نہیں ہوگا۔

❊

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل خرابی کی وجہیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ کالجوں میں اُردو پڑھائی جاتی ہے لیکن اس طرح نہ گویا نہیں پڑھائی جاتی۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ اس مضمون کو لازمی قرار نہیں دیا جاتا۔ اور بعض یونیورسٹیوں میں تو کسی امتحان کو پاس کرنے کے لیے اُردو میں پاس ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ طلبا، اس سے بے پروائی برتتے ہیں اسباق میں پابندی سے شریک نہیں ہوتے۔ اور اگر ہوتے بھی ہیں تو اُستاد کا لکچر توجہ سے نہیں سُنتے۔ پھر کالجوں کی عام فضا جس میں یہ طلبا، زندگی بسر کرتے ہیں وہ ایسی ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اردو زبان کی وقعت باقی نہیں رہنے دیتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ کالجوں میں اُردو کا اُستاذ دوسرے مضامین کے اساتذہ سے کم حیثیت سمجھا جاتا ہے۔

پس اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آج کے "طلبا" ہی قوم کی صحیح اُمید گاہیں ہیں اور اُن سے مستقبل میں اُردو کی حفاظت و بقا کی توقعات قائم ہوسکتی ہیں تو آپ کا یہ فرض ہے کہ ان نونہالانِ وطن میں اُردو زبان کا صحیح مذاق پیدا کریں۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ انگریزی، حساب، تاریخ وغیرہ کی طرح خاص اُردو کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا جائے۔ محنتی اور قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں اور اُردو کو لازمی مضمون قرار دے کر یہ طے کردیا جائے کہ کوئی اُمیدوار اُس وقت تک کسی امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکیگا جب تک کہ وہ اُس اُمتحان کے اُردو پرچوں میں کامیاب نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ضرورت ہے کہ کالج در کالج بحث و مذاکرہ کی اُردو سوسائٹیاں ہوں، اُن کے جلسے منعقد کرائے جائیں اور اچھی اُردو میں تقریر و تحریر کرنے والوں کو انعامات تقسیم کیے جائیں، ورنہ بحالت موجودہ

گر ہمیں مکتب ست و ایں ملا   کار اُردو تمام خواہد شد!

© rasailojaraid.com